پاکستانی ادب کی شناخت: اردو تنقید کے تناظر میں

محمد طارق/مظفر عباس

Abstract:

Hasan Askari raised a slogan of Pakistani literature.There are no two opinions that every country has its own civilization and culture.Then why does an objection is made on Pakistani literature? This article shows up the identity of Pakistani literature and its importance by covering the different stages.

قیام پاکستان کے ساتھ ہی ادب کے تقاضے یکسر بدل جاتے ہیں۔ یہاں تک آتے آتے ایک بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہرتحریک دوسری کا ردعمل تھی اور ہر دور میں جو بھی ادب لکھا گیا وہ اس دور کے حالات وواقعات کے عین مطابق اور لوگوں کے مزاج کو مدنظر رکھ کر لکھا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کی تقسیم کے مراحل طے ہوئے تو ساتھ ہی ادیبوں کی ایک جماعت میں اس بات کا شدت سے احساس کیا جانے لگا کہ اب ادب کیسا ہونا چاہیے؟ اور اس نئے وطن کے حالات و واقعات کیا تقاضا کرتے ہیں کہ ادب کی سمت کیا ہونی چاہیے؟ اس زمینی رشتے کے تقاضوں کے مطابق ادب لکھا جانا چاہیے کہ یہ سلسلہ ویسے ہی چلتے رہنا چاہیے؟ اور کیا ادب اپنے خارجی حالات سے یکسر بے گانہ ہوکر چلتا رہے گا یا پھر وہ ان خارجی عوامل کے اثرات سے متاثر ہوکر اپنی سمت کا تعین کرے گا؟ یہ اور ان جیسے بے شمار سوالات ادیبوں کے ذہنوں میں جنم لے رہے تھے۔ یہاں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ہر دور میں بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے مطابق سیاست کے ساتھ ساتھ ادب میں بھی تحریکیں ابھرتی رہی ہیں اور ہر دور کے ادیب اپنے خارجی عوامل اور حالات سے یکسر لاعلم اور بیگانہ نہیں رہے ہیں بلکہ جو بھی تحریک اُبھری ،اس تحریک کے اثرات ادب پر کسی نہ کسی طرح مرتب ضرور ہوئے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا آزادی کے بعد بھی کوئی تحریک ایسی تھی جس نے ادب کو متاثر کیا اور اس سے شناخت کے مراحل کس طرح طے ہوئے اور کون سے ادیب اس تحریک میں پیش پیش تھے؟

پاکستانی ادب کی شناخت کی تحریک:

آزادی کے فوراً بعد اُردو ادب میں پاکستانی ادب کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس تحریک کے روح رواں محمد حسن عسکری تھے۔ ان کی ذہنی نشوونما جس دور میں ہوئی تھی وہ ہندوستان کی ادبی تاریخ میں نئے ادب / ترقی پسند ادب کا دور تھا جو بین الاقوامی حالات اور تحریکوں اور رُومانویت، جمال پسندی یا ادبِ لطیف کے ردِعمل میں پیدا ہوا تھا۔ عسکری اس جمال پرستی کے سخت مخالف تھے جو اپنے عمومی رویوں اور ادبی حسیت کے اعتبار سے گردوپیش کے ماحول سے یکسر غیر متعلق ہوکر خیالوں اور خوابوں کی دنیا سجائے ہوئے تھی۔ اس کے مقابلے میں وہ شروع میں 'نئے ادب' والوں کی اس کاوش کے زبردست قائل تھے جو اس نے اپنے اردگرد کے مسائل سے جڑنے کی خاطر کی تھی لیکن 'نیا ادب' جب چند مخصوص مسائل ہی کا ہوکر رہ گیا تو ان کی یہ بے اطمینانی شدید اضطراب میں بدل گئی۔ ایسے میں پہلے انھوں نے پاکستانی کلچر اور 'پاکستانی ادب' کے خدوخال متعین کرنے کی بات کی جو برصغیر کے مسلمانوں کے صدیوں پرانے کلچر اور ادب ہی کی ایک توسیعی اور نئے تخلیقی اطلاق کی ایک صورت تھی۔(۱)

احمد جاوید اپنے مضمون ''پاکستانی ادب کی شناخت''، مشمولہ 'پاکستان میں اُردو ادب کے پچاس سال' مرتبہ ڈاکٹر نوازش علی میں لکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد زمینی حقائق یہ تھے کہ پاکستان اور بھارت نے سیاست میں اپنے لیے متضاد راستے منتخب کیے۔ ہمارے ہاں تحریک پاکستان میں کارفرما عناصر کی بحث آئی تو مذہب کا حوالہ بڑھ گیا۔ ادب میں یہ ہوا کہ پاکستانی ادب اور اسلامی ادب کی اصطلاحیں برتی جانے لگیں اور ان پر لکھا جانے لگا۔(۲)

قیام پاکستان کے وقت ترقی پسند تحریک کے اثرات نمایاں تھے۔ یہ تحریک حقیقت پسندی کی تحریک تھی اور اس کے زیر اثر لکھنے والے بھی ایک مخصوص نظریے کے تحت چیزوں کو دیکھنے کے عادی تھے۔ وہ حالات و واقعات کو ایک مخصوص نظریے سے پرکھتے تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد حالات یکسر تبدیل ہوگئے تھے اور اس بات کو شدت سے محسوس کیا جانے لگا تھا کہ ہندوستانی ادب اب دو خطوں کی ضروریات کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ اس سے پہلے ہندوستان چونکہ ایک ہی خطہء ارض تھا اور اس میں رہنے والے ادیب بھی ایک ہی خطے کے باسی ہونے کی بنا پر خیالات و تصورات کو ایک ہی جہت سے بیان کررہے تھے۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو عزیز ابن الحسن کی یہ رائے:

> ''قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہاں پر پاکستانی کلچر اور پاکستانی ادب کی جو بحثیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں وہ محض اتفاق کی بات نہ تھی بلکہ ان کے پیچھے صدیوں کا وہ اضطراب کارفرما تھا جو اپنے امتیازات کو کسی صورت مسخ نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔''(۳)

قیام پاکستان کے وقت ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق دو تحریکیں اہم تھیں۔ حلقے میں ایک بات یہ دیکھنے میں آئی کہ اس کے اجلاسوں میں سب کو شرکت کی دعوت تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اظہار رائے کی آزادی تو رہی ایک طرف موضوعات کی بھی قید نہیں تھی۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان ادبی مباحث سے نئی نسل روشناس ہوتی چلی گئی۔ ان مباحث سے نئے موضوعات اور نئے زاویے سامنے آئے۔ ترقی پسند تحریک کے

زوال کے اسباب میں سے کئی دوسرے عوامل کے علاوہ ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس نے بہت سے دوسرے ادیبوں پر اپنے دروازے صرف اس لیے بند کر دیے تھے کہ وہ ان کے نظریات سے اختلاف رکھتے تھے۔ترقی پسندوں کو اختلاف رائے پسند نہ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ان ادیبوں کو کٹ کرنا آسان تھا جو اختلاف کرنے کی جسارت کرتے تھے لیکن انھیں اپنا نقطہ ءنظر بیان کرنے سے روکنا ممکن نہ تھا۔اس سلسلے میں ملاحظہ ہو ڈاکٹر انور سدید کی یہ رائے:

> ’’ترقی پسند تحریک کے نقادوں نے زیادہ تر مارکسی تنقید کے پیمانے استعمال کیے اور ان تخلیقات کو بالعموم مسترد کر دیا جو ان پیمانوں پر پوری نہیں اترتی تھیں۔ اس انتہا پسندی کا ایک عملی مظاہرہ آزادی کے بعد یوں ہوا کہ ترقی پسند تحریک کے منشور سے اختلاف رکھنے والے ادیبوں پر اس تحریک کے رسائل (جن میں ’ادبِ لطیف‘، ’سویرا‘، ’نقوش‘ اور ’جاوید‘ شامل ہیں) میں اشاعت کے سلسلے بند کر دیے گئے اور انھیں ’’رجعت پسند‘‘ کہا جانے لگا۔ اس دور میں جن ادیبوں پر اشاعتی قدغن لگائی گئی ان میں سعادت حسن منٹو، محمد حسن عسکری، ممتاز شیریں، عزیز احمد، صمد شاہین، اختر حسین رائے پوری، ممتاز مفتی، شاہد احمد دہلوی، احمد علی، قیوم نظر، یوسف ظفر، شورش کاشمیری اور شیر محمد اختر جیسے اُدباء شامل تھے۔‘‘(۴)

انور سدید کے مطابق ترقی پسندوں نے تو اپنے منشور سے اختلاف رکھنے والے ادیبوں پر نہ صرف اپنے رسائل میں اشاعت کو ممنوع قرار دے دیا بلکہ ترقی پسند ادیبوں نے اپنے جو مضامین غیر ترقی پسند رسائل کو بھجوا رکھے تھے وہ بھی واپس منگوا لیے اور انھیں ’رجعت پسند‘ کہا جانے لگا۔

ترقی پسند تحریک کا یہ رویہ ایک لحاظ سے انتہا پسندانہ تھا اور اس تحریک سے وابستہ لوگ جو اس طرح کے رویے نہیں رکھتے تھے اور جو ان رویوں کو اس تحریک کے لیے زہرِ قاتل سمجھتے تھے، وہ اس رویے کے خلاف میدانِ عمل میں بزعمِ خود سامنے آئے۔ انور سدید اپنے مضمون ’’پاکستان میں اُردو تنقید کے پچاس سال‘‘ میں ترقی پسندوں کے اس انتہا پسندانہ رویہ کے بارے میں ترقی پسند نقاد احمد بشیر کا حوالہ دیتے ہیں کہ جنھوں نے تحریک کے جنرل سیکرٹری کا کڑا احتساب کیا اور ہفت روزہ ’’قندیل‘‘ کے ایک طویل مکتوب میں ان کی کڑی سرزنش کی۔ملاحظہ ہو ان کی یہ رائے:

> ’’دراصل اگست ۱۹۴۷ء کے فوراً بعد خوابوں اور تصورات کے آبگینوں میں بال آنے لگے تھے اور عملی آزادی کے دو برس کے بعد یہ آبگینے نومبر ۱۹۴۹ء میں ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گئے اور ہم اس انتہا پسندی کا شکار ہو گئے جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دوست اور دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور تہذیب و ثقافت کی پاکیزہ روایات اپنے معانی کھونے لگتی ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں ترقی پسند مصنفین پاکستان کا منشور

مرتب کرتے وقت پاکستان بھر کے ترقی پسند مصنفین انتہا پسندی کا شکار ہوگئے۔''(۵)

ترقی پسندوں کے اس رجعت پسندانہ تصور کے حوالے سے حسن عسکری کہتے ہیں کہ ادب کے مقاصد کے بارے میں آج کل ہمارے ادیبوں میں تین قسم کی آراء ملتی ہیں۔ ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ ادب کو صرف معاشی بے انصافی کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے۔ اس گروہ کے نزدیک ادب کو پاکستانی یا اسلامی بنانے کے معنی رجعت پسندی اور عوام دشمنی ہیں۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ادب کو ''بس'' ادب ہونا چاہیے حالانکہ ادیب اپنی عام زندگی میں پاکستان کے زبردست حامی ہیں مگر ادب میں پاکستان یا اسلام کے ذکر کو ایک قسم کی سیاست بازی سمجھتے ہیں۔ ان دو گروہوں کے علاوہ چند بکھرے ہوئے افراد ہیں جو مختلف رجحانات کے تحت اور مختلف مفاہیم کے ساتھ پاکستانی یا اسلامی ادب کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ان افراد کی مختلف قسمیں گنوانے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آخر دو گروہوں کو پاکستانی ادب پر اعتراض کیا ہے۔

حسن عسکری کی اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی ادب پر اعتراض تو ایک طرف، یہ گروہ تو پاکستانی ادب کا تصور پیش کرنے والوں پر بھی اعتراض کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ وہ اپنے اسی نقطہء نظر کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

''یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر اتفاق سے دو چار مخلص لوگ پیدا ہوجائیں جو محمد حسن عسکری یا ممتاز شیریں یا صمد شاہین یا قدرت اللہ شہاب کی طرح سرمایہ داروں یا پاکستان کی حکومت کے آلہ کار نہ ہوں اور ایسا پاکستانی ادب پیدا کرنا چاہیں جس میں معاشی بے انصافی کے خلاف شدید احتجاج بھی شامل ہو تو پھر ان حضرات کو ایسے ادب پر کیا اعتراض ہوگا؟ البتہ اگر پاکستان یا اسلام ہی کو معاشی انصاف کے منافی سمجھا جاتا ہو تو اور بات ہے۔''(۶)

حسن عسکری کی پاکستان سے محبت کا اظہار ڈاکٹر عبادت بریلوی کے اُس خط سے بخوبی ہوتا ہے جو انھوں نے لاہور سے لکھنوء لکھا تھا۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں حسن عسکری کی یہ رائے:

''پاکستان بن گیا ہے مسلمانوں کو ایک نئی مملکت مل گئی ہے۔ یہ تاریخ کا بہت ہی اہم واقعہ ہے۔ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو مضبوط بنائیں۔ ہندوستان میں اب ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ وہاں اچھوت بن کر رہیں گے۔ اس لیے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں پاکستان آکر اس کو مضبوط بنانا چاہیے۔''(۷)

حسن عسکری کے بارے میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ وہ جب لاہور آئے تو ترقی پسند مصنفین اور حلقہ

اربابِ ذوق میں ٹکراؤ کو دیکھ کر ہی ان کے نقطہ ءنظر میں تبدیلی آئی اور انھوں نے ایک الگ راستہ اپنا لیا۔اس سلسلے میں شمس الرحمٰن فاروقی ''آج کل'' کے ساتھ کی گئی ایک گفتگو مشمولہ ''محمد حسن عسکری اور معاصر تنقید'' مرتبہ اشتیاق احمد میں محمد حسن عسکری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

> ''۱۹۴۷ء تک عسکری صاحب نے اپنا نظریہ ء ادب مکمل طور پر اپنے ذہن میں اور بہت حد تک اپنی تحریروں میں قائم کرلیا تھا۔ حلقہ ء اربابِ ذوق کی جنگوں کو بھلا وہ کیا اہمیت دیتے۔عسکری صاحب نے کبھی بھی ذاتی پسند یا ناپسند کو ادب پر جاری نہیں کیا ۔مثلاً احتشام صاحب سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ اپنی مرتب کردہ کتاب ''میری بہترین نظم''میں انھوں نے احتشام صاحب کا ذکر بھی کیا ہے۔تو ذاتی تعلقات کی بات اور ہے، ادبی چھان بین کی بات اور۔''(۸)

اس سے ایک بات تو ظاہر ہوتی ہے کہ ترقی پسند تحریک نے جن ادیبوں پر دروازے بند کیے اور انھیں اپنے لیے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ ان ادیبوں نے ترقی پسند تحریک کے خلاف خوب لکھا۔ ان میں محمد حسن عسکری، ممتاز شیریں، صمد شاہین، محمد دین تاثیر پیش پیش تھے۔ بعد میں اس طرح کی ادبی بحثیں اور ادبی کشمکش ممتاز شیریں اور صمد شاہین کے جاری کردہ ادبی رسالے ''نیا دور'' اور شاہد احمد دہلوی کے ''ساقی'' میں بڑی شدت سے منظرِ عام پر آتی رہیں۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید کی یہ رائے:

> ''پاکستان کے اوائل میں زیادہ ادبی مباحث ان ہی دو تحریکوں سے ابھرے۔محمد حسن عسکری اس دور کے ایک اہم نقاد تھے جنھوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات پر لکھے جانے والے ادب کو ہنگامی قرار دیا جو تخلیق کی داخلی لگن سے عاری تھا۔اس سے ایک یہ بحث چھڑ گئی کہ ''کیا ہنگامی واقعات فوری طور پر ادب کا موضوع بن سکتے ہیں؟'' اس سوال سے ہی ''پاکستانی ادب'' اور ''اسلامی ادب'' کے موضوعات ابھرے۔''(۹)

انور سدید کے مطابق پاکستانی ادب اور اسلامی ادب کے موضوعات کیا سامنے آئے کہ اس نومولود خطے کے تناظر میں نظریاتی مباحثہ شروع ہو گیا۔محمد حسن عسکری، تاثیر، محمد احسن فاروقی، ممتاز شیریں اور صمد شاہین نے ایسے ادب کی تخلیق پر زور دیا، جس میں پاکستانی تہذیب وتمدن کی بھرپور عکاسی اور اسلام کی نظریاتی اور تہذیبی اقدار کی تخلیقی پیش کش ہو۔اس بحث میں ہندوستان سے فراق گورکھ پوری، اثر لکھنوی اور علی سردار جعفری نے بھی شرکت کی اور محمد حسن عسکری پر تعصب اور منافرت پھیلانے کا الزام بھی لگایا گیا۔

جہاں تک پاکستان کی تہذیبی، نظریاتی اور فکری اقدار کا تعلق ہے اس میں حسن عسکری کے بارے میں کسی شک شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ تہذیبی اور فکری اقدار سے بہرہ ور تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کی

یہ رائے ملاحظہ فرمائیں:

''بات یہ ہے کہ عسکری صاحب ایک تہذیب کے آدمی تھے۔ تہذیب ان کا اوڑھنا بچھونا تھی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس تہذیب کو انھوں نے اپنے اندر اس طرح جذب کرلیا تھا کہ وہ اس کا مجسمہ معلوم ہوتے تھے۔ اس کا اظہار ان کے افعال، اقوال اور تخلیقی کاوشوں سے ہوتا تھا۔ ان کی تخلیقی کاوشیں، ان کے افسانے اور تنقیدی مضامین اور دینی مقالات ان کے اسی تہذیبی میلان کی آئینہ داری کرتے ہیں اور نثر لکھنے کا جو انداز انہوں نے پیدا کیا ہے اس میں بھی اس تہذیب کی روح مختلف زاویوں سے اپنی جھلکیاں دکھاتی ہے۔''(۱۰)

سوال یہ ہے کہ پاکستانی ادب کی ترغیب کا نعرہ ہو یا پاکستانیت کی تحریک، اس کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اور اس کی شناخت کیا ہے اس بارے میں مختلف نقادوں کے نقطہء نظر سے اس بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی پاکستانی ادب کی شناخت کے حوالے سے حسن عسکری کے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان آکر عسکری صاحب نے اسی فکر کو آگے بڑھایا۔ پاکستانی ادب کی شناخت کی بحث اسی اندازِ نظر کا نتیجہ تھی اور اس کے بعد جو کچھ انھوں نے لکھا اس میں سامیت کا عنصر بڑھتا اور گہرا ہوتا گیا اور وہ افسانہ نگاری سے دور اور فکر و خیال سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔''(۱۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے خیال میں حسن عسکری کلچر کی حفاظت کے لیے اندرونی طور پر جنگ کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں وہ جزیرے کے اختتامیہ کا حوالہ دیتے ہوئے حسن عسکری کے اپنے الفاظ کا حوالہ دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حسن عسکری کی یہ رائے:

''شاید میری فطرت کے آریائی اور سامی عناصر ایک دوسرے سے متصادم ہو رہے ہیں۔ ایک طرح سے یہ جنگ پوری دنیا میں جاری ہے لیکن ''آذری'' کا زمانہ آنے تک کلچر کی حفاظت کے لیے شاید سامیت ہی کچھ زیادہ مفید ہے۔ ادب میں بھی۔''(۱۲)

پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی یہ سوال بھی اُبھرا کہ اب یہاں کیسا ادب تخلیق ہونا چاہیے اور کیا اس نئے ملک میں ہندوستان جیسا ادب ہی تخلیق کیا جانا چاہیے یا اس میں اس کی جغرافیائی وحدت کو سامنے رکھتے ہوئے ادب لکھنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن کے مطابق قیام پاکستان کے بعد ادب اور خاص طور پر تنقید میں ایک نیا سوال سامنے آیا۔ وہ سوال یہ تھا کہ پاکستان ایک سیاسی وحدت کے طور پر تو دنیا کے نقشے پر ابھر آیا ہے، اب پاکستان کے بطور تہذیبی وحدت خدوخال کیا ہوں گے؟ پاکستانی معاشرے میں ادب اور فنونِ لطیفہ کا کیا مقام ہوگا؟ پاکستان

میں جو ادب پیدا ہوگا اس کے امتیازات کیا ہوں گے؟ ان سوالوں پر غور کرنے کا ایک طریقہ تو ترقی پسند تحریک سے وابستہ لکھنے والوں نے اختیار کیا۔ ڈاکٹر ضیا الحسن ترقی پسندوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''انھوں نے آزادی کو ''داغ داغ اُجالے'' سے تعبیر کیا، انھیں ''گجر بجنے سے دھوکا'' کھانے کا گمان گزرا۔ ترقی پسند چونکہ ہر معاملے کو معاشی کشمکش کے ساتھ جوڑتے تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ پاکستان جاگیرداروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے وجود میں آیا تھا۔ ایسے میں وہ بھی بھول جاتے تھے کہ خود ۱۹۴۶ء میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا قیام پاکستان کے مطالبے کے حق میں قرار داد منظور کر چکی تھی۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ لکھنے والوں نے پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب لانے کے لیے کافی تگ و دو کی لیکن اس میں ناکامی نے ان کے اندر جھنجھلاہٹ پیدا کر دی اور وہ حالات کا صحیح ادراک نہ کر سکے۔''(۱۳)

حسن عسکری صرف ۱۹۴۷ء کے ہنگام لکھے جانے والے ادب کو ہی نہیں مانتے تھے اور اسے تخلیق کی داخلی لگن سے عاری قرار نہیں دیتے تھے بلکہ وہ تو ایسے ادب کو بھی مسترد کر رہے تھے کہ جس میں قوم کے لیے کوئی راہ، کوئی منزل اور کوئی سمت ہی نہ نظر آتی ہو۔ پاکستانی ادب اور اسلامی ادب کے مباحث کے حوالے سے احمد جاوید اپنے مضمون ''پاکستانی ادب کی شناخت'' مشمولہ ''پاکستان میں اُردو ادب کے پچاس سال'' میں لکھتے ہیں::

''محمد حسن عسکری نے پچاس کی دہائی میں ہفت روزہ 'نظام' لاہور میں ''پاکستان، اردو ادب اور قومی تقاضے'' اور پھر ایک مضمون ''قوم سے بے نیازی اور ادیب'' میں گزشتہ تیس برسوں کے ادب کو اس لیے مسترد کیا کہ اس میں بقول ان کے قوم کی کوئی سمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اسی پر انھوں نے اسلامی شعور، اسلامی ادب اور پاکستانی ادب وغیرہ کی بحث چھیڑی۔''(۱۴)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حسن عسکری نے اسلامی ادب اور پاکستانی ادب کی بحث ایسے ہی نہیں چھیڑی تھی بلکہ اس کے پیچھے بھی ایک مقصد یہ تھا کہ نئے ملک میں قوم کی دوسرے شعبوں کی طرح ادب میں بھی ایک نئی سمت ہو اور شروع سے ہی اپنی منزل کا تعین کر کے آگے بڑھے۔ پاکستانی ادب اور اسلامی ادب کے بارے میں حسن عسکری کا نقطہء نظر کیا تھا ملاحظہ ہو اس سلسلے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کی یہ رائے:

''لاہور میں عسکری صاحب نے پاکستانی ادب کا نعرہ بلند کیا، اسلامی ادب کی تحریک چلائی اور ناصر کاظمی کو دریافت کیا۔ ان کے خیال میں ناصر کاظمی پہلا پاکستانی شاعر تھا جس نے اپنے اشعار میں قیام پاکستان کے وقت ہونے والی سازشوں کے نتیجے میں جو برا وقت مسلمانوں کو دیکھنا پڑا، اس کے تمام پہلوؤں کو مجسم کر دیا۔ ان کے خیال

میں پاکستان اور پاکستانی کلچر کی روح اس کی شاعری میں ہر جگہ اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔"(۱۵)

انور سدید کہتے ہیں کہ ۱۹۴۹ء میں ترقی پسند مصنفین پاکستان کے بارے میں اپنا منشور مرتب کرتے وقت مخمصے کا شکار ہو گئے اور انتہا پسندی پر اتر آئے۔ ترقی پسند تنقید میں بھی نعرہ بازی نظر آنے لگی۔ مختلف ترقی پسند نقادوں کی جانب سے نعرے بازی کی گئی۔ عبد اللہ ملک نے کہا "یہ آزادی نہیں ۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے سرمایہ داروں کو اور جاگیر دار طبقے کو آزادی ملی ہے، عوام کو لوٹنے کی۔" عابد حسن منٹو نے کہا "تقسیم سے پہلے اور بعد کے سماجی حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔" ظہیر کاشمیری نے کہا" آج ہمارے ملک پر نیم سرمایہ دارانہ اور نیم جاگیر دارانہ نظام رائج ہے۔" ظہیر کاشمیری نے ایک اور نعرہ یہ لگایا کہ" ادیب عوام کا وفادار ہے اور حکومت یا سرزمین وطن سے وفاداری زمانہ جہالت کی یادگار ہے۔" ان نعروں کے منظرعام پر آنے سے لگتا تو یہی تھا کہ ترقی پسند تحریک ایک سیاسی جماعت کی شکل میں سامنے آنا چاہتی ہے۔ حکومتِ وقت نے بھی اس تحریک کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور پھر کچھ ہی عرصے میں اس تحریک کو حکومتی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑ گیا۔(۱۶)

اس کے برعکس محمد حسن عسکری نے اس دور میں ادیب کے لیے وطن سے وفاداری کو ضروری قرار دیا۔ ڈاکٹر تاثیر نے ادیب کی" کومٹمنٹ" کا مسئلہ اٹھایا اور یہ سوال بھی دریافت کیا کہ" کشمیر کے سلسلے میں ادیبوں کا موقف کیا تھا؟ یہ سوال اس لیے برمحل تھا کہ ترقی پسند ادیبوں کی ایک کانفرنس میں کشمیر میں اقوام متحدہ کی منظور شدہ ریزولیوشن کے مطابق استصوابِ رائے کرانے اور کشمیر کے پاکستان سے الحاق کی حمایت میں ایک قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کی اجازت نہ دی گئی۔ اس پس منظر پر معروف نقاد ڈاکٹر تحسین فراقی نے ۱۹۷۹ء میں تجزیاتی نگاہ ڈالی تو لکھا کہ متذکرہ سوال" گویا پاکستانیت کا پہلا بیج تھا یہ پاکستانی ادب کی ترغیب کا پہلا نعرہ تھا" جسے ممتاز شیریں اور صمد شاہین نے رسالہ" نیا دور" میں پروان چڑھانے کی کوشش کی اور وہ ترقی پسند تحریک کے معتوب بھی قرار دیے گئے۔ ڈاکٹر صمد شاہین نے ایسے پاکستانی ادب کی تخلیق پر زور دیا جس میں پاکستانی تہذیب و تمدن کی بھرپور عکاسی اور اسلامی مذہبی اقدار کی آمیزش ہو۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد تنقیدی سطح پر جو پہلی تحریک رونما ہوئی اس نے ارض پاکستان کی نسبت سے ارضی اور اسلامی نظریات کے حوالے سے مساوی عناصر کی اہمیت تسلیم کی اور نئے ادب کی تخلیق کے لیے ان دونوں کا امتزاج ضروری قرار دیا اس پر ترقی پسند تحریک نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا اور" ادب برائے انقلاب" کا نعرہ بلند کیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ" ترقی پسند تحریک کے لیے اگر ہمیں خون دینے کی ضرورت بھی پڑی تو ہم ہرگز ہرگز دریغ نہیں کریں گے۔" ادب اور انقلاب کے اس نعرے میں اشتراکیت کے تمام عناصر موجود تھے چنانچہ ادیبوں کو بھی تلقین کی جانے لگی کہ" وقت آ گیا ہے کہ ہر ادیب کھلم کھلا اشتراکیت کا پروپیگنڈا شروع کر دے کیونکہ اب ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ آگے بڑھتی ہوئی رواں اشتراکیت یا ساکن اور جامد موت۔(۱۷)

ترقی پسندوں کے انقلاب برائے ادب اور اشتراکیت کے کھلم کھلا پروپیگنڈا سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ ترقی پسند اپنی تحریک کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔لیکن ترقی پسندوں کے مارکسیت کے پرچار کے حوالے سے بہت سے ادیبوں اور نقادوں کو تحفظات تھے۔اس سلسلے میں ماہنامہ ''آج کل'' سے کی گئی ایک گفتگو مشمولہ ''محمد حسن عسکری اور معاصر تنقید'' مرتبہ اشتیاق احمد میں ملاحظہ ہو شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ رائے:

> ''ترقی پسند ادب بھی نوآبادیاتی ذہنیت کا نمائندہ ہے۔ کیوں کہ اس کا بنیادی مقصد ہمیں ذہنی طور پر مارکسی افکار کا غلام بنانا تھا، اور مارکسی فکر بھی وہ جن پر اسٹالن کا ٹھپہ تھا، مارکس یا اینگلز کا نہیں'' (۱۸)

ایم ڈی تاثیر اور محمد حسن عسکری نے قیام پاکستان کے بعد کی صورتحال پر تخلیقی انداز میں نظر ڈالی۔ ایم ڈی تاثیر نے ''پاکستان مبارک'' کے عنوان سے ۲۸ جولائی ۱۹۴۷ء سے ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء تک مضامین کا ایک سلسلہ تحریر کیا جس میں انھوں نے اس نئے ملک کے حوالے سے مختلف موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اسی طرح محمد حسن عسکری نے اپنے کالم جھلکیاں میں مئی ۱۹۴۹ء سے پاکستان کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار شروع کیا اور ایک نئی اسلامی مملکت کے خدوخال ابھارنے کے لیے مختلف سوالات اٹھانے شروع کیے۔ (۱۹)

ایم ڈی تاثیر اور محمد حسن عسکری کے قیام پاکستان کے بعد کی صورتحال پر لکھے گئے مضامین اور کالموں سے ایک نئی مملکت کے نقوش ابھر رہے تھے اور بظاہر ابھی تک ادبی سمندر خاموشی سے اپنے بہاؤ پر تھا۔ادبی رسائل میں زیادہ تر تقسیم کے اثرات اور فسادات پر بات کی جارہی تھی کہ اچانک اس خاموشی سے ایک طوفان اٹھا اور پھر اس طوفان میں نئی سمتیں نظر آنے لگیں۔ترقی پسند تحریک سے حسن عسکری کا ٹکراؤ اور پھر تقسیم کے واقعہ پر بحث و مباحثہ کے بارے میں انتظار حسین اپنے مضمون ''عسکری صاحب کا آغاز پاکستان میں'' میں لکھتے ہیں کہ ۴۸ء شروع ہو چکا تھا اور عسکری صاحب ہنوز خاموش تھے۔مگر عسکری صاحب آخر کتنی دیر خاموش رہ سکتے تھے اور ایسے وقت میں جب ادبی رسالوں میں تقسیم اور فسادات پر اتنا کچھ کہا جا رہا تھا۔بس ایک روز اورینٹ سے نکلتے نکلتے انھوں نے جھرجھری لی اور مضمون لکھ میرے حوالے کیا تو تم 'نظام' کے لیے مضمون مانگ رہے تھے۔ یہ لو۔ اس ہفت روزہ میں یہ مضمون چھپا اور بس قیامت بپا ہوگئی۔ اس مضمون میں تقسیم کے بارے میں ادیبوں کے اس وقت کے رویے کی خبر لی گئی تھی۔ لڑائی کے لیے تو یہ بات بھی کافی تھی اس پر مستزاد عسکری صاحب کے تیرونشتر۔ اس مضمون میں دو بریکٹ لگائے گئے تھے۔ ان بریکٹوں نے خاطرخواہ اثر کیا۔ ادیبوں کے رویے پر بات کرتے کرتے عسکری صاحب نے لکھا ''یہ اُردو کے ادیب لوگ''۔ (کپلنگ کے ''بندر لوگ'' کے وزن پر)۔ دوسرا بریکٹ اس سے بڑھ کر تھا۔ ایک فقرہ علی سردار جعفری کے بارے میں لکھا گیا کچھ اس طرح۔ اور علی سردار جعفری (جو ان دنوں کیفے اور ینٹ میں کاؤنٹر کی طرف منہ کر کے بیٹھتے ہیں)۔ یہ دوسرا بریکٹ تو ایک پاک باطن پاک نظر انقلابی کردار پر سیدھا ہی حملہ تھا۔ جواب میں نیاموں سے تلواریں نکلنی ہی تھیں۔ سب سے پہلے عبداللہ ملک کی تلوار نیام سے نکلی۔ اس ہفتے جب میں انجمن

ترقی پسند مصنفین کے جلسہ میں پہنچا تو عبداللہ ملک لال پیلے ہورہے تھے اور باری صاحب کہ صدارت کررہے تھے انہیں مشورہ دے رہے تھے کہ آپ نے جو ذاتی حملے کیے ہیں انہیں مضمون سے خارج کردیں عبداللہ ملک نے مزید لال پیلے ہوتے ہوئے کہا کہ آپ نے وہ مضمون پڑھا نہیں کہ وہاں جعفری کے بارے میں کیا لکھا ہوا ہے ۔ مجھے عسکری مل جائے تو میں اس کا گریبان پکڑ لوں۔ باری صاحب نے پھر ٹوکا اور ملک صاحب کو تحمل کی تعلیم دی۔ یہ مضمون اس محفل میں کئے گئے عہدو پیمان کے مطابق 'نظام' میں من وعن چھپنا تھا مگر دوسرے دن عبد اللہ ملک دفتر میں آکر خود ہی وہ فقرے قلمزد کر گئے جن پر باری صاحب نے انہیں ٹوکا تھا۔ بہرحال بحث شروع ہوگئی اور لڑائی ٹھن گئی۔(۲۰)

اس سے ایک سوال یہ بھی ابھرتا ہے کہ عسکری نے ترقی پسند ادب کی مخالفت کیوں کی اور پاکستانی ادب پر کیوں اتنا زور دیا؟ وہ اس ترقی پسندی کی چھتری تلے پاکستانی ادب کے لیے کوئی جگہ نہیں پاتے تھے۔حسن عسکری کا خیال تھا کہ ترقی پسند رجحانات اور مارکسی نظریہء تنقید کے تحت پاکستانی ادب کی تخلیق ممکن نہیں۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مارکسی نظریے اور ترقی پسند رجحانات کے تحت پاکستانی ادب کا پرورش پانا خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس پر ترقی پسند ناقدین نے حسن عسکری پر تنقید کے دروازے کھول دیے اور پھر ان پر تابڑ توڑ حملے کر دیے لیکن یہ حملے پاکستانی ادب کے حوالے سے کم ہی دیکھنے میں آئے لیکن جب حسن عسکری نے اسلامی ادب کی بحث چھیڑی تو پھر پاکستانی ادب پر کچھ نہ کہنے اور لکھنے والوں کو بھی جواز مل گیا اور انھوں نے جی بھر کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔شہزاد منظر اپنے مضمون ''محمد حسن عسکری: پاکستانی ادب ، اسلامی ادب''مشمولہ ''محمد حسن عسکری اور معاصر تنقید'' مرتبہ اشتیاق احمد میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

''محمد حسن عسکری کے بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انھیں زیادہ تر غلط سمجھا گیا اور ان پر غلط تنقیدیں کی گئی ہیں۔ مثلاً ان کے پاکستانی اور اسلامی ادب کے تصور کو ہی لیجیے۔ انھوں نے جب پاکستانی اور اسلامی ادب کا نعرہ بلند کیا تو یہ فرض کرلیا گیا کہ وہ کسی جماعتی برانڈ کا اسلامی ادب تخلیق کرنا چاہتے ہیں حالاں کہ ان کا مقصد قطعی مختلف تھا۔محمد حسن عسکری زندگی بھر سیاسی اسلامی جماعت کے مخالف رہے۔ اس لیے وہ اس سے متعلق ادب کی کیوں کر حمایت کرسکتے تھے؟ غلط فہمی پیدا کرنے میں ترقی پسند ناقدین نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔''(۲۱)

حسن عسکری اپنے مضمون ''پاکستانی قوم، ادب اور ادیب''مشمولہ ''عسکری نامہ'' میں ترقی پسندوں کے بارے میں کچھ اس قسم کی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

''ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ ترقی پسندوں کے ہاتھوں ادب کی کیا گت بنی، اور ادب

سیاسی فارمولوں میں تبدیل ہو کے رہ گیا۔ اگر اسلامی ادب کے علمبرداروں نے بھی
اسی تاریخ کو دہرایا تو بڑی اندوہناک بات ہوگی۔''(۲۲)

ترقی پسندوں کے ادب میں نظریات کے حوالے سے نقاد شمس الرحمٰن فاروقی ایک گفتگو میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

''کوئی بھی شخص جو براہ راست ادب کا مطالعہ کرتا ہے اور جو ادب کو مرکزی اہمیت دینا چاہتا ہے وہ اس بات سے کبھی انکار نہ کرے گا کہ ترقی پسند ادب میں ادب کی اہمیت محض ایک آلہء کار کی سی ہے۔ گویا زندگی کینوس ہے اور ادب قلم یا برش ہے کہ اس قلم سے آپ کینوس پر کوئی تصویر کھینچ دیجیے اور پھر تقاضا کیجیے کہ سب کو اسی رنگ میں رنگ جانا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بھی ادب کو اہمیت دے گا، ادب کو انفرادی اظہار اور تہذیبی اقدار کا عکاس قرار دے گا، اسے ترقی پسند نظریہء ادب کی پابند، سیاسی فضا پسند نہ آئے گی۔(۲۳)

حسن عسکری کے اسلامی ادب کے حوالے سے کہے گئے الفاظ سچ ثابت ہوئے کہ اسلامی ادب اس طرح لوگوں کے ذہن میں جگہ نہ بنا سکا اور جلد ہی تاریخ کے اوراق میں گم ہوکر رہ گیا۔حسن عسکری اسلامی ادب کے بارے میں بڑا واضح نقطہء نظر رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو ان کی یہ رائے :

''اصل میں جو لوگ اسلامی ادب پڑھنے کے خواہش مند ہیں، انھیں پہلے ادب پڑھنا سیکھنا چاہیے ۔ ویسے بھی اسلامی ادب کسی محکمہ احتساب کا نام نہیں ہے کہ اس کے عائد کردہ قوانین سے کوئی سرِ مو تجاوز کر ہی نہ سکے۔ ہماری اصل ضرورت تو یہ ہے کہ ایک مرکزی روایت ادب میں قائم ہوجائے جو غیر شعوری طور پر ادیبوں کو متاثر کرتی رہے۔ اس کے بعد پھر ادیبوں کو اِدھر اُدھر بھٹکنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اگر ہم نے ''خالص'' اسلامی ادب پر ضرورت سے زیادہ زور دیا تو ادب بھی ختم ہو کے رہ جائے گا''۔(۲۴)

حسن عسکری کا اشارہ بڑا واضح ہے کہ ادیب کے سیاست زدہ ہونے سے ادب سیاست زدہ ہو جاتا ہے اور اس طرح ادب اپنی صحیح سمت کھو دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ادیب جس جماعت سے منسلک ہوتا ہے ، رفتہ رفتہ اس جماعت کے نظریے کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر ادب کی آبیاری کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں ادیب اپنی آزادی کھو دیتا ہے اور پھر اس کی سوچ پر بھی پہرے بیٹھ جاتے ہیں۔ایسے میں اس کے قلم سے نکلنے والے الفاظ اس کے اپنے نہیں ہوتے بلکہ وہ تو گروی ہوتے ہیں اس سوچ کے جس میں وہ گرفتار ہوتا ہے۔اسلامی ادب کی تحریک کے بے اثر ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد کا نقطہء نظر بھی اہمیت کا حامل ہے

ملاحظہ ہو ان کی یہ رائے:

''قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد پاکستانی ادب اور پاکستانی ثقافت کی بحثیں زور و شور سے شروع ہو گئی تھیں۔ حسن عسکری اور ممتاز شیریں نے ''نیا دور'' میں اس مسئلے کو اٹھایا اور مسلسل مضامین لکھے۔۔۔دوسری طرف اسلامی ادب کے دعویداروں نے بھی شدومد سے اسلامی ادب کے خطوط واضح کیے لیکن ان کی تخلیقات فنی اقدار اور جمالیات سے اتنی نیچے تھیں کہ وہ ادب میں شامل نہ ہو سکیں۔'' (۲۵)

ڈاکٹر انور سدید پاکستانی ادب کے ساتھ ہی اسلامی ادب کی تخلیق کے بارے میں کچھ یوں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

''پاکستانی ادب کے ساتھ ہی اسلامی ادب کی تخلیق کا مسئلہ بھی منسلک ہے جسے تحریکی طور پر جماعتِ اسلامی نے ترقی پسند تحریک کے خطوط پر استوار کرنے کی کاوش کی، اسے کامیاب بنانے کے لیے سلیم احمد، نعیم صدیقی، لالہ صحرائی، اسعد گیلانی، شمیم احمد، نجم الاسلام، اسرار احمد سہاروی، پروفیسر خورشید احمد، رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر ہارون الرشید، سعید احمد رفیق، ماہر القادری اور آفتاب احمد خان پیش پیش تھے۔ انھوں نے اپنے نقطہء نظر کی مدلل ترجمانی کی لیکن اس نظریاتی اساس پر مبنی نہ معاشرہ تشکیل میں آیا اور نہ تخلیقات میں اس کا عکس ابھارا جا سکا۔'' (۲۶)

ڈاکٹر ضیا الحسن کے مطابق محمد حسن عسکری نے پاکستان کے حوالے سے اپنا پہلا کالم مئی ۱۹۴۶ء میں رسالہ 'ساقی' میں تحریر کیا۔ یہ کالم رسالہ 'نئی زندگی' کے پاکستان نمبر کے حوالے سے تحریر کیا گیا تھا جس میں پاکستان کے قیام کے مطالبے پر بے دلیل الزام تراشی کی گئی تھی۔ وہ اس سلسلے میں حسن عسکری کے کالم جھلکیاں کے حصہ اول کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عسکری پاکستان میں مسلمان ادیب کے حوالے سے زیادہ ذمہ داری کا تعین کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے خیال میں پاکستان میں مسلمان ادیب کو اپنی ذمہ داری کا زیادہ احساس ہوگا اور وہ عوام سے زیادہ یگانگت بھی محسوس کرے گا اور اس کا رابطہ بھی اپنے عوام سے براہ راست ہوگا۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حسن عسکری نے پاکستان بننے سے پہلے ہی اس بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا تھا کہ پاکستان میں مسلمانوں کے لیے کون سا ادب تخلیق کیا جانا ضروری تھا اور اس ادب میں تہذیبی اکائی کس طرح اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے گی۔ڈاکٹر ضیاء الحسن کے خیال میں محمد حسن عسکری نے پاکستانی کی تہذیبی وحدت پر اصرار کرتے ہوئے ''پاکستانی ادب'' کی صدا بلند کی۔عسکری پاکستان کو ایک اجتماعی تہذیبی وحدت تصور کرتے تھے اور اگر پاکستان کی کوئی مخصوص تہذیبی صفات ہیں تو پھر پاکستانی ادب میں بھی یہ صفات نظر آنی چاہئیں۔محمد حسن عسکری پاکستانی ادب کو اردو ادب کی ہی توسیع سمجھتے ہیں۔

سلیم احمد اپنے مضمون ''پاکستانی ادب کا مسئلہ'' مشمولہ '' مضامینِ سلیم احمد'' تنقید مرتبہ جمال پانی پتی میں حسن عسکری کی طرح پاکستانی ادب میں تہذیبی وحدت کی تلاش کچھ اس طرح کرتے نظر آتے ہیں:

> ''ہندی مسلمانوں کا اپنا ایک اجتماعی تجربہ اور اجتماعی طرزِ احساس ہے اور وہ شعروادب کے پیچھے بھی اسی طرح کام کررہا ہے جس طرح ان کی تہذیب کے دوسرے مظاہر ہیں۔(۲۷)

سلیم احمد اپنے اسی مضمون میں آگے چل کر پاکستان کی روح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پاکستان کی روح کو ہم برصغیر میں ہندی مسلمانوں کے مرکزی طرزِ احساس اور برصغیر میں ان کے بنیادی اجتماعی مسائل اور تجربات کو جانے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ قیام پاکستان کے بعد کی صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے پاکستانی ادب کے کردار اور اہمیت سے بحث کرتے ہوئے سلیم احمد اپنے مضمون ''پاکستانی ادب کا مسئلہ'' مشمولہ '' مضامینِ سلیم احمد'' مرتبہ جمال پانی پتی میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''پاکستان بننے سے پہلے ہم۔۔۔مغربی تہذیب کی طرف اتنی تیزی سے نہیں بڑھ رہے تھے جتنے پاکستان بننے کے بعد بڑھ رہے ہیں۔ یہ تہذیب ہماری جڑوں میں اثر ونفوذ کررہی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے ہماری اندرونی مزاحمت ختم ہوکر رہ گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہزاروں سالہ طرز احساس کے خاتمے یا کمزوری سے جو خلا پیدا ہوگا، کیا اس میں کوئی ایسا طرز احساس پیدا کرسکیں گے جو ہمیں اس یلغار سے بچا لے اور جس کے ذریعہ ہم اپنا کوئی نیا تشخص پیدا کرلیں۔ پاکستانی ادب کا مقصد اسی طرزِ احساس اور نئے تشخص کا مسئلہ ہے۔''(۲۸)

محمد حسن عسکری نے مشہورِ زمانہ کالم ''جھلکیاں'' میں اسلامی ادب کی افادیت و اہمیت پر روشنی ڈالی۔ عسکری اپنے کالم ادبی مجلّے ''ساقی'' میں لکھتے تھے جو دہلی سے قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوگیا تھا۔ حسن عسکری نے پاکستانی ادب کے ساتھ ساتھ اسلامی ادب پر فوراً ہی نہیں لکھا۔ وہ قیامِ پاکستان کے بعد جب لاہور آئے تو کچھ مہینوں تک ان کی خاموشی رہی۔ ان کی یہ خاموشی ادبی حلقوں کو بڑی گراں گزری اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی طوفان کے آنے سے پہلے خاموشی ہوتی ہے۔ بالکل ویسی ہی حسن عسکری کی یہ خاموشی تھی۔ بعد میں وقت نے ثابت کیا کہ ان کی یہ خاموشی واقعی کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں انتظار حسین کی یہ رائے:

> ''شہر میں ترقی پسند کوسِ لمن الملکی بجا رہے تھے۔ لاہور سے کراچی تک ان کا طوطی بول رہا تھا۔ ویسے بھی پورے برصغیر میں یہ زمانہ ترقی پسند تحریک کے عروج کا زمانہ تھا جو ترقی پسند نہیں بھی تھے وہ بھی کسی نہ کسی طوران سے قبول کررہے تھے۔ اگر کوئی مخالف بھی تھا تو اُس کی مجال تھی کہ ان کے مقابلے میں چُوں بھی کرجائے۔۔۔ایسے

میں حسن عسکری پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگانے کے لیے تلُے بیٹھے تھے۔'' (۲۹)

یہاں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آخر یہ نعرہ حسن عسکری نے لگایا کس ادبی رسالے میں تھا کیوں کہ انتظار حسین کے بقول قیامِ پاکستان کے بعد صورتحال کچھ ایسی تھی کہ ترقی پسندوں کا دو بڑے شہروں میں طوطی بول رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ادب کے بنیادی مراکز تو یہ دو ہی تھے اور وہ لوگ ان پر قابض تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت ادب کی دنیا میں تین ادبی رسالے اپنے پورے عروج پر تھے۔ ''نقوش''، ''ادبِ لطیف''، اور ''سویرا''۔ یہ ترقی پسند تحریک کو پروان چڑھانے اور ان کے نظریات کی ترجمانی کرنے میں پیش پیش تھے۔ ایسے حالات میں عسکری کے خیالات کی ترجمانی کون کرتا اور پھر نعرہء عسکری۔ چنانچہ مکتبہء جدید کے بینر تلے ایک نئے ادبی رسالے ''اُردو ادب'' کی بنیاد رکھی گئی۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ عسکری اور منٹو ہی اس رسالے کے ایڈیٹر تھے اور اس کے صرف دو پرچے ہی منظرِ عام پر آ سکے۔ اس کے لیے حسن عسکری اور منٹو کو کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑے اس کی ایک جھلک ''اُردو ادب'' کے پہلے پرچے کے آغاز میں بعنوان ''قلم قتلے'' میں 'عذرِ گناہ'' کے ضمنی عنوان میں محمد حسن عسکری اور سعادت حسن منٹو کی زبانی کچھ یوں نظر آتی ہے:

> '' 'اردو ادب' شائع ہونا تو دور رہا۔ ابھی پوری طرح مرتب بھی نہیں ہوا تھا کہ دنیائے ادب میں ایک افسانہ بن گیا۔ کسی کو خطرہ پیدا ہوا کہ رجعت پسندوں کا محاذ بن رہا ہے۔ کسی کو دھڑکا ہوا کہ یہ کوئی پیری مریدی کا سلسلہ ہے۔ کسی کو پتہ چلا کہ یہ رسالہ پاکستان کی حکومت کا ایجنٹ ہوگا۔ اسی رسالے کے دم سے اردو میں ایک نئی صنفِ اَدب ''کھلے خط'' کا اضافہ ہوا۔ غرض لوگ طرح طرح سے کھلے۔ البتہ ان حضرات کی ایک بات تو سچی نکلی۔ کم سے کم پنجاب کی حکومت نے ضرور اس رسالے پر نظرِ عنایت فرمائی۔ خیر یہ تو ہمیں معلوم تھا کہ ''ساقی'' شائع کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے شاہد احمد صاحب کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے مگر ہم نے ان کے تجربے سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور یہی سمجھتے رہے کہ زیادہ سے زیادہ دیر ہوگی، اندھیر تو نہیں ہوگا۔'' (۳۰)

مندرجہ بالا اقتباس سے اس دور کے حالات کی مکمل عکاسی ہوتی ہے کہ اس وقت کیا ادبی اور سیاسی ماحول چل رہا تھا۔ اس سے ایک بات تو یہ ظاہر ہوتی ہے کہ دور کوئی بھی ہو، وہ چاہے غیر مستحکم ہو یا مستحکم ہو۔ تبدیلی کا عمل سوچ سے آتا ہے۔ صرف حکومتیں بدلنے سے نہیں آتا اور ویسے بھی انگریز جو سوچ چھوڑ کر گیا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ پاکستان بنتے فوراً ہی حکمرانی کے خواہش مند طبقہ کے ذہنوں سے محو ہو جاتی اور پھر وہ سوچ جو سو سال گزرنے کے بعد نہیں گئی وہ تو آج بھی موجود ہے۔ حسن عسکری اسی عنوان کے تحت مزید لکھتے ہیں:

> ''ہم نے کہیں جون ۴۸ء میں کام شروع کیا تھا لیکن جب چھ مہینے ہونے کو آئے اور

مرتب شدہ پرچے میں رکھے رکھے پھپھوندی لگ گئی تو حکومت کے دفتر نے ''جلد'' اجازت دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ شرمندہء تکمیل ہوتا نظر نہ آیا۔ تھک ہار کر ہم نے کراچی سے رجوع کیا اور گھنٹے بھر کے اندر اندر اجازت حاصل کر لی۔ پنجاب کی حکومت کو یہ بے صبری اور بے اعتباری ناگوار گزری اور پرچے کا جو حصہ لاہور میں چھپ چکا تھا۔ اسے پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس کے بعد چھ مہینے اور گزر گئے ۔ نہ تو ہمیں یہ بتایا گیا کہ آخر یہ کس گناہ کی پاداش ہے۔ نہ مقدمہ چلایا گیا۔''(۳۱)

بظاہر یہ تحریر حسن عسکری کے قلم سے ہی نکلی لگتی ہے اور سعادت حسن منٹو کا اس میں حصہ اگر ہو گا بھی تو نہایت کم ہوگا ۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے حسن عسکری کو پاکستان آتے ہی کن مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ہم مختلف ''سرکاروں'' میں عرضیاں گزرانتے پھرے۔ مگر وہ کان ہی نہ نکلے جن پر ''اُردو ادب'' کی جوئیں رینگ سکتیں۔ خدا خدا کر کے عدالت میں مقدمہ پیش ہوا اور چالیس روپیہ جرمانہ بھرنے کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ ہمارا جرم یہ تھا کہ ہم نے لاہور سے اجازت لیے بغیر پرچہ ''شائع'' کر دیا تھا۔ یہ ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ ''چھپوانا'' اور ''شائع'' کرنا کب سے مترادف الفاظ ہوگئے ہیں۔

اس سے ایک بات یہ بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ کیوں ''اُردو ادب'' کے صرف دو ہی پرچے چھپ کر منظرِعام پر آ سکے اور کیوں ادب کی ترجمانی کرنے والا پرچہ بند ہوگیا؟ انتظار حسین کے بقول عسکری صاحب کے ''اسلامی ادب'' کا شگوفہ بھی تو یہیں سے پھوٹا تھا۔(۳۲)

اس کے برعکس جہاں تک ''اُردوادب'' کے دونوں پرچوں کا تعلق ہے تو اس میں حسن عسکری کے دو مضامین شامل ہیں۔ پہلے پرچے میں حسن عسکری کا مضمون ''ہمارا ادبی شعور اور مسلمان'' شامل ہے ۔ دوسرے پرچے میں حسن عسکری کا مضمون ''فن برائے فن'' شامل ہے ۔ مہر اختر وہاب اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

''اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محمد حسن عسکری پہلے پاکستانی نقاد ہیں جنہوں نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ترقی پسندوں پر اساسی تنقیدی حملے کیے۔ 'مارکسیت اور منصوبہ بندی، فن برائے فن، ہیئت اور نیرنگ نظر اور انسان اور آدمی' عسکری کے یہ چاروں مضامین ترقی پسند تحریک کے خلاف نہ صرف اعلانِ جنگ بلکہ باقاعدہ جنگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عسکری نے نہ صرف ترقی پسندوں سے جنگ کی بلکہ پاکستانی ادب اور پاکستانی شعور کے مسائل سے بھی عہدہ براء ہونے کی کوشش کی۔''(۳۳)

شہزاد منظر کے مطابق اسلام کی فکری بنیاد پر لکھا جانے والا ادب اس وقت تک پاکستانی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں پاکستان کی جغرافیائی اور تہذیبی خصوصیات اور اس کی مٹی کی بو باس شامل نہ ہو۔

شہزاد منظر نے اپنے مضمون میں نقطہ اٹھایا کہ پاکستانی ادب میں اس کی جغرافیائی اور تہذیبی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس کی مٹی کی بو باس بھی شامل ہونی چاہیے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی ادب میں مذکورہ بالا عناصر ہوں گے تو ہی وہ ادب، پاکستانی ادب کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ کیا قیام پاکستان کے بعد پاکستانی ادب کی تحریک میں ان عناصر کو کوئی اہمیت دی گئی تھی یا وہ ان سے یکسر ناواقف تھے۔ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے ملاحظہ ہو انور سدید کی یہ رائے:

> ''آزادی کے فوراً بعد ادب میں جو اولیں تحریک رونما ہوئی، اس نے ارض پاکستان کی نسبت سے زمین کے اور اسلامی نظریات کے حوالے سے، آسمان کے عناصر کی اہمیت کو تسلیم کیا اور نئے ادب کی تخلیق کے لیے ان دونوں کا امتزاج ضروری قرار دیا۔ چنانچہ اس تحریک نے ریاست سے وفاداری اور پاکستانی ادب کا مسئلہ پیدا کیا۔''(۳۴)

انور سدید کے کہنے کے مطابق تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ارضِ پاکستان کی نسبت اور نئے ادب کی تخلیق کے لیے امتزاج کا عنصر کہیں نہ کہیں موجود تھا اور اسے ضروری بھی قرار دیا گیا تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے شہزاد منظر کے اس خاص نقطے پر بھی بات کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے اپنے مضمون 'محمد حسن عسکری: پاکستانی ادب/اسلامی ادب' مشمولہ ''محمد حسن عسکری اور معاصر تنقید'' میں حسن عسکری کے جون ۱۹۴۹ء میں کالم ''جھلکیاں'' میں چھپنے والے ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے جس کا عنوان ''پاکستانی ادب'' تھا، اپنے مضمون میں شہزاد منظر نے پاکستانی ادب، اس کے عناصر اور اس کو پروان چڑھانے والے ادیبوں اور ناقدین کی بات کی ہے۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں ان کی یہ رائے:

> ''پاکستانی ادب کیا ہے؟ ادب میں کون کون سے عناصر یا خصوصیات شامل ہونے سے پاکستانی ادب وجود میں آئے گا؟ محمد حسن عسکری نے اپنے اس مضمون میں اس کی کوئی وضاحت نہیں کی اور نہ ممتاز شیریں اور دوسرے دانشوروں نے۔''(۳۵)

اس کے برعکس انور سدید بڑے واضح انداز میں اس تحریک کے علمبرداروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں ان کی یہ رائے:

> ''اس تحریک کے علمبردار حلقہء اربابِ ذوق کے ایک رکن محمد حسن عسکری تھے اور اس کی نظریاتی اساس کو ڈاکٹر صمد شاہین، ڈاکٹر جمیل جالبی، ممتاز شیریں، سجاد باقر رضوی اور سلیم احمد نے اپنے مضامین سے تقویت پہنچائی۔ پاکستانی ادب کی تحریک ادبی سطح پر قومیت کو ابھارنے والی ایک اہم تحریک تھی۔ اس تحریک نے زمین کو آسمان کے تابع قرار دے کر قومی سطح پر ادب پیدا کرنے کی طرح ڈالی۔''(۳۶)

یہاں انور سدید نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس تحریک نے ادبی سطح پر قومیت کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ زمین کو آسماں کے تابع قرار دیا۔ یہ بات یہیں ختم ہو جاتی لیکن شہزاد منظر پاکستانی ادب کے حوالے سے ایک اور نقطہ اٹھاتے ہوئے کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

''اصل سوال یہ تھا کہ پاکستانی اور غیر پاکستانی ادب کا فرق کس طرح پہچانا جائے؟ ادب کیمیاوی یا نسخہء شفا نہیں ہے کہ فلاں فلاں اجزا شامل کرنے سے فلاں شے پیدا ہو جائے گی۔ ادب فکری سطح پر چوں کہ مجرد ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی تجسیمی صورت کے بارے میں پہلے سے پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے محمد حسن عسکری کے لیے بھی یہ کہنا ممکن نہ تھا کہ فلاں فلاں باتیں اگر شامل ہوں تو پاکستانی ادب وجود میں آ جائے گا۔''(۳۷)

شہزاد منظر کے اس سوال کا جواب حسن عسکری کے لکھے گئے ایک مضمون بعنوان ''پاکستانی قوم، ادب اور ادیب''، مشمولہ ''عسکری نامہ'' سے کچھ یوں ملتا ہے:

''پاکستانی یا اسلامی ادب کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ریا کاری کو مطلق دخل نہ ہو۔ اگر اسلام کے کسی اصول پر ایمان نہیں لا سکے ہیں تو اپنے افسانے یا نظم میں اپنا پورا ذہنی اور روحانی تجربہ پیش کیجیے کہ فلاں فلاں نفسیاتی محرکات مجھے ایمان نہیں لانے دیتے۔ جاندار اسلامی ادب پیدا ہونے کے لیے لازمی ہے کہ ادیب خواہ مخواہ اسلامی ادب پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اپنے ساتھ ایمانداری برتیں''(۳۸)

اس سے ان کے پاکستانی ادب /اسلامی ادب کے بارے میں خیالات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ پاکستانی /اسلامی ادب کو کس آنکھ سے دیکھتے تھے۔ حسن عسکری کے خیال میں اسلام کے علمبرداروں کا یہ طبقہ مخلص تو ہے لیکن مسلمانوں کی تاریخ کو اسلام کا جز نہیں سمجھتا۔ اسلام اس لیے ابدی حقیقت ہے کہ وہ انسانی تاریخ کی رُو سے الگ ہٹ کر کونے میں نہیں بیٹھ جاتا بلکہ تاریخ کی ہر نئی قوت کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں حسن عسکری اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

''اگر کوئی صاف کہہ دے کہ ادب کی ضرورت باقی نہیں رہی تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے مگر ادب کے نام سے ''غیر ادب'' کا مطالبہ کرنا غلط ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ آپ ادب کی ماہیت سے باخبر نہیں ہیں اور نہ ادب سے محبت کرتے ہیں۔ مشہور لطیفہ ہے کہ ایک صاحب اپنے دوست کے باپ کی موت پر تعزیت کرنے پہنچے تو اپنے دوست سے کہنے لگے کہ صاحب بڑا افسوسناک حادثہ ہے، خدا آپ کو نعم البدل عطا کرے۔ یہی بات ایک طرف تو ترقی پسند اور دوسری طرف ''اسلامی ادب'' کے

بعض حامی ادب سے کہہ رہے ہیں، مگر مشکل یہ ہے کہ ادب کا بھی کوئی نعم البدل اول ہو ہی نہیں سکتا، یا تو ادب ہوگا یا نہ ہوگا۔ تو اسلامی ادب والوں کو بھی سب سے پہلے یہ بات طے کرنی ہوگی کہ ہمیں ادب چاہیے یا نہیں چاہیے۔''(۳۹)

حسن عسکری قیامِ پاکستان کو مسلمانوں کی ملی تاریخ میں ایک بہت بڑا تخلیقی تجربہ سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس عظیم الشان تجربے کا تخلیقی ادب اور جمالیاتی فنون میں بھی اظہار ہونا چاہیے اور اہلِ دانش طبقے کو بے حسی کے اس احساس سے باہر آ جانا چاہیے۔ جو انہوں نے خود پر طاری کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں جیلانی کامران کی یہ رائے:

''آزادی کے ساتھ کیا ہوا چناؤ علم کی افزائش کا باعث بنتا ہے لیکن غلامی کے زمانے کی قبول کی ہوئی تربیت علمی جمود اور ذہنی بانجھ پن کو پیدا کرتی ہے۔ آزادی تہذیبی پس منظر کو پیدا کرتی ہے اور غلامی صرف ایک ایسے منظر کو پیدا کرتی ہے جہاں حاکم کا علم ہی سورج ہوتا ہے۔''(۴۰)

عسکری نے جس طرح پاکستانی کلچر پر بحثیں اٹھائی تھیں اسی طرح پاکستانی ادب کے خدوخال متعین کرنے میں بھی ان کی آراء سب سے منفرد تھیں۔ ان کے نزدیک اردو زبان اور ادب و شاعری کی پوری تاریخ فرد کے ذاتی مطالبات کو اجتماعی شعور سے ہم آہنگ کرنے اور داخلیت و خارجیت میں توازن پیدا کرنے سے عبارت ہے۔ دنیاویت، روحانیت اور انفرادیت واجتماعیت کے مابین توازن کی اسی تلاش کو وہ اردو کی مرکزی روایت کہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کے قیام سے ہمارے اندر جو نیا تخلیقی وفور پیدا ہوا ہے اس سے کام لے کر ہمیں روایت اور تجربے کے تال میل سے ایک نئی بُو باس والے ادب کی داغ بیل ڈالنی چاہیے۔ یہ گویا عسکری کی طرف سے ''پاکستانی ادب'' کی ضرورت کے اولین اشارے تھے۔(۴۱)

''پاکستانی ادب'' کی اصطلاح سب سے پہلے ہمیں ان کی دو تحریروں بہ عنوان ''پاکستانی ادب'' اور ''پاکستانی قوم، ادب اور ادیب''، ۱۹۴۹ء مشمولہ ''تخلیقی عمل اور اسلوب'' میں نظر آتی ہے۔ پھر ذرا بدلے ہوئے حالات میں انہوں نے اس مسئلے پر اپنے مضمون ''پاکستان میں ادب کا مستقبل''، مشمولہ ''مقالات عسکری، ج ا'' میں بحث کی تھی۔ ترقی پسندوں کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ ان لوگوں کو پاکستانی ادب سے اختلاف اصل میں تقسیم کے اس تصور کی وجہ سے ہے جسے وہ انگریزوں اور سرمایہ داروں کی ایک چال سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے احساسِ شکست سے باہر نکلیں اور قوم کی امنگوں کا ساتھ دیں۔ حلقہ اربابِ ذوق یا ادب برائے ادب والوں سے عسکری کا کہنا تھا کہ پاکستانی ادب کا مطلب قصیدہ خوانی یا سیاست بازی نہیں۔ ''خالص ادب وفن'' کے تصور پر تنقید کرتے ہوئے عسکری نے لکھا تھا کہ جب تک اپنے ملک وقوم کے جذباتی اور اجتماعی مسائل ادیب کی شخصیت کا قومی عنصر نہیں بنتے محض 'کوری ادبیت' سے بڑا ادب پیدا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے وہ ''غیر جمالیاتی اقدار'' بھی

ضروری ہیں جو ایک تہذیب انسانوں میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا کرنے کے لیے اس پر عائد کرتی ہے۔اس سلسلے میں ملاحظہ ہو حسن عسکری کی یہ رائے:

''ادب صرف اتنا ہی کام کر کے نہیں رہ جاتا کہ جماعت جیسی کچھ بھی ہے اس کی عکاسی کر دے۔ جماعت کی شخصیت میں نشو و نما کے جتنے امکانات ہوتے ہیں ان کا اندازہ اور تجربہ وہ پہلے ادب اور فن ہی کے ذریعے کرتی ہے تو جب تک ادب یہ سارے مطالبات پورے نہ کرے جماعت کے لیے دلچسپی کا باعث نہیں بن سکتا، خواہ وہ کتنا ہی 'خالص' یا کتنا ہی 'ترقی پسند' کیوں نہ ہو۔''(۴۲)

حسن عسکری جیسے نقاد کو قائل کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ قائل ہوئے بھی تو ایک بڑھیا سے۔ انتظار حسین اس واقعہ کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ ادیبوں اور دانشوروں نے تقسیم کے واقعہ پر بحثیں کیں۔شاعروں نے کیا کیا نظم باندھی اور افسانہ نگاروں نے کیسا کیسا پُرسوز افسانہ لکھا۔مگر عسکری صاحب کسی کے قائل نہیں ہوئے۔ قائل ہوئے تو ایک بڑھیا کی بات سے ہوئے۔ان دنوں کرشن نگر میں بے گھر بے در لوگ بہت نظر آتے تھے۔کہاں کہاں سے لوگ اجڑ کر آئے تھے۔کوئی پورب سے کوئی پچھّم سے۔ پاکستان بننے کے بارے میں وہ اپنے اپنے تجربوں کے حساب سے سوچتے تھے اور ایک دوسرے کو قائل کرتے نظر آتے تھے۔شام کا وقت تھا۔عسکری صاحب بازار سے گزرتے گزرتے ٹھٹھکے۔ایک بڑھیا کسی نوجوان کو پاکستان کا فلسفہ سمجھاتی جا رہی تھی، کہہ رہی تھی۔''بیٹا، بس یہ سمجھ کہ سر چھپانے کے لیے کچا گھر بنا لیا ہے۔'' ''سنا یہ بڑھیا کیا کہہ رہی ہے'' عسکری صاحب ہنسے اور آگے بڑھ لیے۔ میں سمجھا کہ چلتی سی بات تھی آئی گئی ہوئی۔مگر بعد میں پتہ چلا کہ عسکری صاحب نے تو یہ فقرہ بہت احتیاط سے گرہ میں باندھ لیا تھا۔ جب 'ساقی' شروع ہوا اور عسکری صاحب نے 'جھلکیاں' لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو گرہ کھولی۔ آگے ان کی جھلکیاں بادلیئر، رمبو، میلاؔن وغیرہ کے بیانات سے شروع ہوا کرتی تھیں۔اس مرتبہ انہوں نے کرشن نگر کی بڑھیا کے فقرے سے اپنی بات شروع کی۔ پاکستان کے لیے کچے گھر کی تشبیہ نے انہیں ایسا پکڑا کہ اس کی بنیاد پر انہوں نے پاکستان کے حق میں استدلال کی ایک پختہ عمارت کھڑی کر دی۔(۴۳)

پاکستانی اور اسلامی ادب کے حوالے سے محمد حسن عسکری کا نظریہ کچھ اس طرح سے تھا:

''میرے ذہن میں جس پاکستانی یا اسلامی ادب کا تصور ہے وہ ڈرا، سہا، یا گٹھل یا کٹ حجت نہیں ہوگا بلکہ دلیر، بے باک، حساس، نئے تجربوں کا شوقین، ہر قسم کی ذہنی اور اخلاقی ذمہ داریاں قبول کرنے کو تیار کیوں کہ اسلامی کردار یا اسلامی سماج کی تخلیق فنکار کے شعور کی خوفناک روشنی کے بغیر ممکن نہیں۔''(۴۴)۔

سعادت حسن منٹو و قدرت اللہ شہاب کی کہانیوں ''کھول دو'' اور ''یا خدا'' کو پاکستانی ادب کے نمونے قرار دیا تھا۔آفتاب احمد کے نام ۲۶ مارچ ۱۹۵۴ء کو لکھے گئے ایک مکتوب میں حسن عسکری نے اس بات کا اشارہ بھی

دیا تھا کہ وہ ''پاکستانی ادب'' سے متعلق اپنے مضامین کی کتاب بھی ترتیب دے چکے تھے۔ملاحظہ ہو ان کی یہ رائے:

''اب ایک کتاب تو میں نے پاکستانی ادب والے مضمونوں کی ترتیب دے دی ہے
اور دوسری اردو شاعروں اور ماہِ نو والے مضمونوں کی۔''(۴۵)

اس سے پہلے کی گئی بحث سے یہ نتیجہ نکالنا اب آسان ہوگیا ہے کہ اسلامی ادب کا نعرہ گو کہ وقت کے ساتھ ساتھ معدوم ہوتا گیا اور اپنی افادیت و اہمیت بھی کھو بیٹھا لیکن پاکستانی ادب کا نعرہ پاکستان کی گروتھ (growth) کے ساتھ ہی بڑھتا رہااور گزشتہ پچاس برس سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اپنی جگہ مضبوطی سے قائم و دائم ہے اور ترقی پسند تحریک کے دب جانے سے اور حلقے کا اثر کم ہونے سے بھی یہ تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس کا دائرہ ءادب بھی وسیع ہو چکا ہے۔ پاکستانی ادب کی شناخت کے حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

''پاکستانی ادب کے پچاس سال اس کی تاریخ بھی ہیں اور شناخت بھی۔ پچھلے چند برسوں سے پاکستانی ادب کی شناخت کا مسئلہ پھر تازہ ہوا ہے لیکن یہ بحث پرانی بحث سے مختلف ہے کہ اس وقت اس بحث کا مطلب ترقی پسندوں کے خلاف محاذ بنانا تھا لیکن اب یہ بحث پاکستانی ادب کی حقیقی شناخت کا مسئلہ ہے کہ اردو کی دوسری بستیوں میں لکھے جانے والے ادب سے پاکستانی ادب کیسے اور کیوں مختلف ہے اور ہم اس سارے ادب کو اردو ادب کہنے کی بجائے پاکستانی ادب کیوں کہنا چاہتے ہیں؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ فکری، تہذیبی اور لسانی تینوں حوالوں سے پاکستانی ادب کی اپنی ایک شناخت ہے۔''(۴۶)

ڈاکٹر رشید امجد نے تین حوالوں کا ذکر بڑی شدومد سے کیا ہے۔فکری، تہذیبی اور لسانی پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ تینوں ہیں کیا اور ڈاکٹر رشید امجد نے ان پر کیوں زور دیا ہے؟ جہاں تک فکری شناخت کا تعلق ہے تو ہمارے فکر اور سوچ کا دائرہ ہمارے ملی جذبات کے گرد گھومتا ہے اور یہی وہ کلی جذبے ہیں جو ہمیں کسی نہ کسی سطح پر ہندوستانی فکر سے الگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیوں کہ ہندوستانی فکر ہندی روایات اور ہندی لب و لہجے کی بھرمار نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں عربی و فارسی لب و لہجہ اور مسلم روایت زندہ ہوتی ہوئی ملتی ہے۔صوبوں کے حوالے سے بولی جانیوالی زبانوں اور اردو زبان کی اہمیت کے حوالے سے محمد حسن عسکری نے اپنے مضمون ''قوم سے بے نیازی اور ادیب'' میں کچھ اس طرح اپنی رائے کا اظہار کیا:

''مختلف پاکستانی صوبوں کے ادیب اپنے علاقے کی زندگی کو اُردو کے ذریعے پیش کرنے میں پہلے سے زیادہ سرگرمی دکھا رہے ہیں چونکہ پچھلے چار پانچ سال سے

ہمارے عام لکھنے والوں کی فنی صلاحیت کمزور پڑتی چلی جارہی ہے۔ لہٰذا یہ رجحان مضمونوں کی شکل میں زیادہ نمودار ہورہا ہے۔افسانوں اور نظموں کی شکل میں کم۔۔۔۔پاکستان کے ایک نئے قومی کلچر کی تعمیر اور ترقی کے لیے اشد ضروری ہے کہ ہر پاکستانی علاقے کے لوگ یہ محسوس کرسکیں کہ پاکستان کی قومی زبان اردو اور ان کی تہذیبی زندگی کے ہر قابل قدر عنصر کی حفاظت کا ذمہ لے سکتی ہے۔(۴۷)

ڈاکٹر رشید امجد فکری تناظر اور ہیئت وتکنیک اور زبان و بیان کے حوالے سے لکھے جانے والے ادب کو پاکستانی ادب کہتے ہیں ۔ ہمارے اس فکری تناظر اور زبان و بیان کی بنیاد بھی ہمارا مسلم کلچر اور مسلم تاریخ ہی ہے۔ جہاں تہذیبی شناخت کی بات ہے ۔ یہ تو طے ہے کہ پاکستانی تہذیب بہت سے دوسرے حوالوں کی طرح اپنی ایک الگ شناخت اور مقام رکھتی ہے اور یہ مختلف علاقائی تہذیبوں اور اجتماعی فکر کے ملاپ سے وجود میں آئی ہے۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہوڈاکٹر رشید امجد کی یہ رائے:

''یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاکستانی تہذیب اپنی علاقائی تہذیبوں، اجتماعی سوچ، نظریہ حیات اور اجتماعی خوابوں سے مل کر بنی ہے۔ پاکستانی ثقافت کی یہ صورت جو مجموعی فضا بناتی ہے وہ پاکستانی ہے اور ہمارے اردو ادب میں اس فضا کا اظہار اسے پاکستانی بنا دیتا ہے۔''(۴۸)

چاروں صوبوں میں بولی جانیوالی مختلف علاقائی زبانیں بھی اس کی شناخت ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر قومی زبان اردو نے ان سب کو شناخت کی ایک لڑی میں پرو دیا ہے ۔ یہی بات اسے لسانی حوالے تک بھی لے جاتی ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں زبانیں بھی مختلف بولی جاتی ہیں۔ ان علاقوں میں بولی جانیوالی زبانیں اپنی ایک الگ تاریخ اور ادبی سرمایہ رکھتی ہیں۔ زبانوں کے ادب میں بہت سی مشترک اقدار ہمارے قومی تشخص اور کردار کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں جیلانی کامران کی یہ رائے:

''محمد حسن عسکری نے اردو ادبی فکر کے لیے جس راہ کی طرف اشارہ کیا وہ راہ قومی تشخص اور ادبی قومیت کی راہ تھی اور غالباً ایسی رہنمائی ہی کی بدولت ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ ہمارا ادب، ہمارا ادبی فکر اور تخلیقی سرگذشت جنوبی ایشیا میں منفرد کردار اختیار کرسکے۔''(۴۹)

پاکستان میں بولی جانیوالی اُردو زبان میں چاروں صوبوں میں بولی جانیوالی علاقائی زبانوں کی جو آمیزش اور رنگ نظر آتے ہیں وہ قطعی طور پر ہندوستان میں بولی جانیوالی اردو سے یکسر مختلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بولی جانیوالی اُردو وطن کی محبت، مٹی کی بھینی بھینی سی خوشبو سے یکسر خالی ہے۔

یہی حال لکھی جانیوالی اردو کا ہے۔ وہاں بولی اور لکھی جانیوالی اردو میں ضرورت کا دخل زیادہ ہے۔ اس

کے برعکس ہمارے ہاں کی اردو میں جذبات اور احساسات کا تڑکا اسے مختلف اور شریں بنا دیتا ہے۔ پاکستان میں بولی جانیوالی اردو اب اپنا ایک الگ مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ اب اس کا ایک الگ لب ولہجہ وجود میں آ چکا ہے اور یہ لہجہ اور رنگ چاروں صوبوں میں بولی جانیوالی علاقائی زبانوں سے مل کر وجود میں آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پاکستانی لہجہ یقیناً ہندوستانی لہجے سے یکسر الگ ہے اور اپنی ایک الگ شناخت رکھتا ہے۔اسی طرح اس میں لکھا جانے والا ادب بھی ہندوستان سے قطعی طور پر مختلف ہوگا۔ ڈاکٹر رشید امجد کے خیال میں ہماری اُردو نے پنجاب، سندھی، بلوچی اور پشتو سے جو اثرات قبول کیے ہیں انھوں نے ایک نئے لہجے کو جنم دیا ہے جو خالصتاً پاکستانی لہجہ ہے چنانچہ اس زبان میں لکھا جانیوالا ادب لسانی حوالوں سے الگ پہچان رکھتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا ادب ہے جسے بجاطور پر پاکستانی ادب کہا جاسکتا ہے اوراس ادب میں وہ کون سے عوامل ہونے چاہئیں کہ جن کی بنا وہ واقعی پاکستانی ادب کہلانے کا مستحق ہو۔مختلف نقادوں اور اُدبا کی رائے میں پاکستانی ادب کی تعریف کیا ہوسکتی ہے؟ اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ڈاکٹر غفورشاہ قاسم کی رائے میں کسی بھی ملک کا ادب اس کے ماحول، معاشرت، مذہب،تہذیب وتمدن،اجتماعی خوابوں اورعوامی آرزوؤں کا ترجمان ہوا کرتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تخلیق پانے والے شعری اور نثری ادب کو ہم بجاطور پر پاکستانی ادب قرار دے سکتے ہیں۔ڈاکٹر سلطانہ بخش کے بقول پاکستانی ادب کی مثال ایک پہلودار ہیرے کی ہے جس کا ہر پہلو اپنی ایک الگ آب وتاب رکھتا ہے لیکن مجموعی طور پر یہ ادب ایک وحدت اور اکائی ہے ۔ احمد ندیم قاسمی کے بقول پاکستانی ادب سے مراد ہے وہ ادب جو پاکستان کے وجود، پاکستان کے وقار اور پاکستان کے نظریے کا اثبات کرتا ہو اور پاکستان کے تہذیبی ، تاریخی مظاہر کا ترجمان ہو اور جو یہاں کے کروڑوں باشندوں کی امنگوں اور آرزوؤں نیز شکستوں اور محرومیوں کا غیر جانبدار عکاس ہو۔ظاہر ہے اس صورت میں پاکستانی ادب، ہندوستانی ادب یا ایرانی ادب یا چینی ادب سے مختلف ہوگا۔میرزا ادیب کے الفاظ میں وہ ادب جو پاکستان میں رہنے والے ادیبوں نے وجود پذیر کیا ہے ، پاکستانی ادب ہی کہلائے گا۔ڈاکٹر سلیم اختر کے خیال میں پاکستانی ادیب کا لکھا ہوا وہ ادب کہ جس میں قوم کا تشخص اجاگر ہوتا ہو، اسے پاکستانی ادب قرار دیا جاسکتا ہے۔فیض احمد فیض کہتے ہیں کہ پاکستانی ادب وہ ہے جس میں پاکستانی روایات ، حالات ، پس منظر اور پیش منظر سے مطابقت موجود ہو۔ اس میں مقامیت کے مقاصد کے ساتھ آفاقیت بھی موجود ہے۔''(۵۰)

ڈاکٹر غفورشاہ قاسم پاکستانی ادب کی شناخت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ پاکستانی ادب ایک الگ شناخت اور پہچان رکھتا ہے۔پاکستانی ادب ہماری کامرانیوں اور تشنہ کامیوں اور شادابیوں، احساسِ زیاں اور اعترافِ تشکر کی مستند دستاویز اور معتبر میزانیہ بھی ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ ہمارے شعروادب میں ہماری خاک کے تمام خواب اور عذاب مکمل طور پر سمٹ آئے ہیں۔ پاکستانی ادب کی تاریخ اور انقلاب ، تعمیرِ نو اور حسرتِ تعبیر کی ہوشربا داستان ہے۔ اس کا مطالعہ درحقیقت پاکستان کے باطنی وجود اور روح تک رسائی کے مترادف ہے۔ وطنِ عزیز کی شخصیت اور نفسیات مزاج اور معاشرت طرزِ احساس اور رمزِ فکر کو سمجھنے کے لیے اس کی معاشی، سیاسی، سماجی، تہذیبی

اور ثقافتی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس کی ادبی تاریخ کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔

مختلف اصنافِ شعرونثر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی زبان وادب کا اپنا ایک مزاج اور لہجہ وجود پذیر ہو چکا ہے۔ پاکستانی ادب میں راوی کا بہاؤ، روہی کی مٹھاس، صحرائے تھر کی وسعت اور شمالی علاقوں کے فلک شگاف پہاڑوں کی رفعت موجود ہے۔ پاکستانی ادب ہندوستانی ادب کے مزاج اور لہجے سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ ہمارے ادب میں مسلم ثقافت اور تاریخ کے حوالے بکثرت موجود ہیں۔ یہاں اس امر کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ پاکستان کے مضافات میں تخلیق پانے والے مختلف علاقائی زبانوں کے غیر مطبوعہ شعری اور نثری ادب کا مطالعہ بھی پاکستانی ادب کی تفہیم کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر اس کے مکمل خدوخال ہمارے سامنے نہیں آسکیں گے۔

برصغیر کے مسلمانوں اور ان کے پیدا کردہ تہذیبی اوضاع کے امتیازی خدوخال کا شعور رکھنے والے یوں تو بہت سے ادیب وشاعر تھے مگر قیامِ پاکستان کے ابتدائی دنوں میں ان امتیازات کو اپنے ادبی شعور کا حصہ بنا کر انہیں پاکستانی کلچر اور ادب کے خدوخال متعین کرنے کا جو کارنامہ محمد حسن عسکری نے سرانجام دیا اس کی دوسری نظیر اگر کوئی ہے تو انہی کے خطوط پر کام کرنے والے کچھ ادیبوں کی ہے۔ گذشتہ پچاس ساٹھ برس کے دوران ''پاکستانی ادب'' ایسے انفرادی خدوخال یقیناً بنا چکا ہے جو اسے ہندوستانی اردو ادب سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس ادب کو تخلیق کرنے اور اس کا امتیازی رنگ وضع کرنے میں بہت سے اُدبا کا کردار ہے مگر محمد حسن عسکری کی ذہنی ونظریاتی کاوشوں نے ''پاکستانی ادب'' کی ضرورت، جواز اور امتیاز کی بات ایک ایسے دور میں کی تھی جب ہمارے عمومی ادبی شعور کے نزدیک اس کی حقیقت محض دیوانے کے خواب کی تھی۔ لہذا اس بناء پر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ''پاکستانی ادب'' کا حقیقی معمار اور بنیاد گزار اگر کوئی ہے تو وہ حسن عسکری ہے۔(۵۱)

یہاں تک آتے آتے ایک بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ پاکستانی ادب شناخت کے مراحل طے کرتے کرتے اب ایک واضح حقیقت کا روپ دھار چکا ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں ڈاکٹر ضیاء الحسن کی یہ رائے:

> ''عسکری نے جن مباحث کا آغاز آج سے پچاس پچپن برس قبل کیا تھا اس پر بحث آج بھی جاری ہے۔ اسی طرح عسکری نے ادب میں پاکستانیت یا پاکستانی ادب کی بات کی ہے ابتداء میں اس تصور کی بھی مخالفت کی گئی لیکن آج ہم جانتے ہیں کہ پاکستانی ادب ایک حقیقت ہے جس سے انکار کی گنجائش موجود نہیں۔(۵۲)

پاکستان بننے کے بعد پیدا ہونے والے فکری مباحث کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر سلیم اختر کی یہ رائے:

> ''قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کے حوالے سے جن فکری مباحث نے جنم لیا،

بحیثیت مجموعی انہیں دوطرح دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک تو ترقی پسند مصنفین کا رویہ تھا جو انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کے قائل تھے جبکہ ان کے مقابل (اور مخالف بھی) وہ دانشور اور اہلِ قلم تھے جنھوں نے نئی دھرتی کو وطن تسلیم کرکے اس سے جذباتی امیدیں وابستہ کرلیں۔ ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر، محمد حسن عسکری، ممتاز شیریں نے پاکستانی ادب (قومی ادب/اسلامی ادب) کی بحث شروع کی تو یہ خاصی متنازعہ ثابت ہوئی۔ اس وقت کے بیشتر دانشوروں نے اس بحث میں حصہ لیا۔ تاہم یہ بات اتنی غلط نہ تھی جتنی اس وقت محسوس ہوئی ہوگی کہ ہماری اور ہمارے ادب کے تشخص کی اساس پاکستانیت پر بھی اُستوار ہوسکتی ہے۔''(۵۳)

حواشی:

(۱) ڈاکٹر عزیزابن الحسن، **محمد حسن عسکری (شخصیت اور فن)** ۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷، ص ۳۱

(۲) احمد جاوید، (مضمون)''پاکستانی ادب کی شناخت''، مشمولہ، **پاکستان میں اُردو ادب کے پچاس سال**، (مرتب)، ڈاکٹر نوازش علی، راولپنڈی: گندھارا بکس، ۲۰۰۷ء، ص ۲۹

(۳) ڈاکٹر عزیزابن الحسن، **محمد حسن عسکری (شخصیت اور فن)**، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷، ص ۹

(۴) سہ ماہی **آئندہ**، پاکستانی ادب نمبر، شمارہ ۴۱، جلد ۱۱، جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء، ص ۳۶

(۵) سہ ماہی **آئندہ**، پاکستانی ادب نمبر، جلد ۱۱، شمارہ ۴۱، جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء، ص ۱۰

(۶) محمد حسن عسکری، **عسکری نامہ (افسانے، مضامین)**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸، ص ۳۰۷

(۷) ڈاکٹر عبادت بریلوی، **خطوطِ محمد حسن عسکری**، لاہور: ادارہ ادب وتنقید، ۱۹۹۳، ص ۱۹

(۸) شمس الرحمٰن فاروقی، گفتگو ماہنامہ (آج کل)، مشمولہ، **محمد حسن عسکری اور معاصر تنقید**، (مرتب)، اشتیاق احمد، لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۰۸، ۳۳۰

(۹) سہ ماہی **آئندہ**، پاکستانی ادب نمبر، جلد ۱۱، شمارہ ۴۱، جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء، ص ۳۷

(۱۰) ڈاکٹر عبادت بریلوی، **خطوطِ محمد حسن عسکری**، لاہور: ادارہ ادب وتنقید، ۱۹۹۳، ص ۳۰

(۱۱) ڈاکٹر جمیل جالبی، دیباچہ **عسکری نامہ (افسانے، مضامین)**، ص ۹

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ڈاکٹر ضیاء الحسن، **اُردو تنقید کا عمرانی دبستان**، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، س ن، ص ۳۴۶

(۱۴) احمد جاوید، (مضمون) پاکستانی ادب کی شناخت مشمولہ، **پاکستان میں اُردو ادب کے پچاس سال**۔ (مرتب)؛

ڈاکٹر نوازش علی، راولپنڈی: گندھارا بکس، ۲۰۰۷ء، ص۲۹

(۱۵) ڈاکٹر عبادت بریلوی، **خطوطِ محمد حسن عسکری**، لاہور: ادارہء ادب وتنقید، ۱۹۹۳ء، ص۲۰

(۱۶) **ماہ نو**، اگست (۱۹۹۷) گولڈن جوبلی نمبر، لاہور، ص۱۰

(۱۷) **ماہ نو**، اگست (۱۹۹۷) گولڈن جوبلی نمبر، لاہور، ص۱۰

(۱۸) شمس الرحمٰن فاروقی، گفتگو ماہنامہ (آج کل)، مشمولہ، **محمد حسن عسکری اور معاصر تنقید**۔ (مرتب) اشتیاق احمد، لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۰۸، ۳۴۶

(۱۹) ڈاکٹر ضیاء الحسن، **اُردو تنقید کا عمرانی دبستان**، ص۳۴۶

(۲۰) **ماہ نو**، مارچ (۱۹۷۸)، لاہور، ص۴۰

(۲۱) شہزاد منظر، (مضمون) ''محمد حسن عسکری: پاکستانی ادب، اسلامی ادب''، مشمولہ، **محمدحسن عسکری اور معاصر تنقید**، (مرتب) اشتیاق احمد، لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۰۸ء، ۲۶۹

(۲۲) محمد حسن عسکری، **عسکری نامہ (افسانے، مضامین)**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص۳۱۷

(۲۳) شمس الرحمٰن فاروقی، گفتگو ماہنامہ (آج کل)، مشمولہ، **محمد حسن عسکری اور معاصر تنقید**۔ (مرتب) اشتیاق احمد، ص۳۱۹

(۲۴) محمد حسن عسکری، **عسکری نامہ (افسانے، مضامین)**، ص۳۱۷

(۲۵) ڈاکٹر رشید امجد، **پاکستانی ادب (رویے اور رُجحانات)**، اسلام آباد: پورب اکیڈمی، ۲۰۱۰ء، ۱۲

(۲۶) سہ ماہی **آئندہ**، پاکستانی ادب نمبر، جلد ۱۱، شمارہ ۴۱، جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء، ص۳۷

(۲۷) سلیم احمد، (مضمون) ''پاکستانی ادب کا مسئلہ''، مشمولہ **مضامینِ سلیم احمد (تنقید)**، (مرتب) جمال، پانی پتی، ۲۰۰۹ء، اسلام آباد: اکادمی بازیافت، ص۱۸۷

(۲۸) ایضاً

(۲۹) انتظار حسین، **چراغوں کا دھواں**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص۴۳، ۴۶

(۳۰) رسالہ، **اُردو ادب**، س ن، الف

(۳۱) رسالہ، **اُردو ادب**، س ن، الف

(۳۲) انتظار حسین، **چراغوں کا دھواں**، ص۴۳، ۴۹

(۳۳) مہر وہاب اختر، **اُردو میں اسلامی ادب کی تحریک**، اسلام آباد: پورب اکیڈمی، طبع اول، ۲۰۱۰ء، ص۸۷

(۳۴) ڈاکٹر انور سدید، **اُردو ادب کی تحریکیں**، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، طبع پنجم ۲۰۰۴ء، ص۶۱۲

(۳۵) شہزاد منظر، (مضمون) ''محمد حسن عسکری: پاکستانی ادب، اسلامی ادب''، مشمولہ، **محمدحسن عسکری اور معاصر تنقید**، (مرتب) اشتیاق احمد، لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۰۸، ص۲۷۳

(۳۶) ڈاکٹر انور سدید، **اُردو ادب کی تحریکیں**، ص۶۱۳

(۳۷) شہزاد منظر، (مضمون) ''محمد حسن عسکری: پاکستانی ادب، اسلامی ادب''، مشمولہ، **محمدحسن عسکری اور معاصر تنقید**، (مرتب) اشتیاق احمد، ص۲۷۳

(۳۸) محمد حسن عسکری، **عسکری نامہ (افسانے، مضامین)**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۸،ص۳۱۶
(۳۹) ایضاً ، ص۳۱۱
(۴۰) جیلانی کامران، **تنقید کا نیا پس منظر**،لاہور: مکتبہ جدید،۱۹۹۴ء،ص۵
(۴۱) ڈاکٹر عزیز ابن الحسن، **محمد حسن عسکری (شخصیت اور فن)**، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء،ص ۴۸
(۴۲) محمد حسن عسکری، ''پاکستانی قوم، ادب اور ادیب''(مضمون)،مشمولہ **تخلیقی عمل اور اسلوب**، مرتبہ محمد سہیل عمر، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء،ص۵۹
(۴۳) **ماہ نو**، مارچ۱۹۷۸ء،لاہور،۴۰
(۴۴) محمد حسن عسکری، ''پاکستانی قوم، ادب اور ادیب'' (مضمون)،مشمولہ **تخلیقی عمل اور اسلوب**،مرتبہ محمد سہیل عمر، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء،ص ۵۹
(۴۵) ڈاکٹر آفتاب احمد، **محمد حسن عسکری،ایک مطالعہ(ذاتی خطوط کی روشنی میں)**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء،ص۱۸۴
(۴۶) ڈاکٹر رشید امجد، **پاکستانی ادب(رویے اور رُجحانات)**، اسلام آباد: پورب اکیڈمی ،۲۰۱۰ء،۱۵
(۴۷) **ماہ نو**، مارچ۱۹۷۸ء،لاہور،۲۹
(۴۸) ڈاکٹر رشید امجد، **پاکستانی ادب(رویے اور رُجحانات)**، اسلام آباد: پورب اکیڈمی ،۲۰۱۰ء،۱۵
(۴۹) **ماہ نو**، مارچ۱۹۷۸ء،لاہور،۴۱
(۵۰) ڈاکٹر غفور شاہ قاسم، **پاکستانی ادب :شناخت کی نصف صدی(تحقیق و تنقید)**،راولپنڈی: ریز پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء،ص۲۷
(۵۱) ڈاکٹر عزیز ابن الحسن، **محمد حسن عسکری (شخصیت اور فن)** ، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء،ص۱۰
(۵۲) ڈاکٹر ضیاء الحسن، **اُردو تنقید کا عمرانی دبستان**، ص۳۴۷
(۵۳) ڈاکٹر سلیم اختر، **اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ**، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۱۰۳ء،ص۴۹۳

◁▷